ڈاکٹر محسن خلیجی

ترجمہ: ڈاکٹر گوہر نوشاہی

علامہ اقبال کے افکار میں مسلمانوں کو درپیش مشکلات کا ادراک

کسی ایسے صاحب فکر ونظر کے بارے میں جس کی شعری یادگار میں نو ہزار فارسی اور تقریباً سات ہزار اردو اشعار ہوں، جس کے افکار سے دنیا کے نقشے پر پہلی اسلامی جمہوریہ وجود میں آئی ہو، جس کے نظریات اسلام اور اس کے مستقبل، وحدت اسلامی، تعلیم و تربیت، سرزمین مشرق کے ادب و سیاست، علم و ثقافت، مغرب کی تہذیب و ثقافت اور صوفیائے ایران میں سے مولانا روم، حافظ شیرازی اور متعدد دیگر موضوعات پر حاوی ہوں، کچھ عرض کرنا آسان کام نہیں ہے۔

زیر نظر مقالے میں کوشش ہوگی کہ ان کے فکر کے نمایاں پہلوؤں میں چند ایک کی وضاحت کی جائے اور ان کے افکار، کلام اور نظریات کے حوالے سے اسلامی دنیا کو درپیش مسائل و مشکلات اور ان کے حل پر اظہار خیال کیا جائے۔

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں، اقبال اپنے زمانے کے مسلمانوں کے مسائل کو ان کے داخلی اسباب میں بھی دیکھتے ہیں اور اس سلسلے میں بیرونی دنیا کے حالات اور اسباب کو بھی مدنظر رکھتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے وہ تشخیص شدہ ثقافتی عوامل، قومی نظریات، آداب و رسوم اور اخلاقی اقدار پر بھی توجہ دیتے ہیں اور نقد و نظر کے اصولوں، ثقافتی سرمائے، سیاسی اور اجتماعی ڈھانچے اور قانون کی تعلیم کو بھی اہم سمجھتے ہیں۔

اس پس منظر میں اقبال کے افکار و نظریات کی شناخت دراصل بیسویں صدی کے

Scanned by CamScanner

آغاز میں مسلمانوں کے اجتماعی، تہذیبی اور سیاسی نظریات سے آگاہی حاصل کرنا ہے۔ اس مطالعے کے ذریعے اس دور کے مسلمان معاشرے کی تاریخ اور مجبوریوں اور تنگ دستیوں کی وجوہ تک رسائی حاصل ہو سکتی ہے۔ البتہ اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اقبال کا زاویہ نظر اور موضوع کی وضاحت بہت حد تک، حقیقت پر مبنی اور قومی سوچ کی حامل ہوتی ہے۔

اقبال کی تصانیف اور کلام کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ ہر موضوع کی تہہ تک پہنچنے کے خواہش مند تھے اور سطحی مطالعے یا یک طرفہ سوچ سے اجتناب کرتے تھے۔ چنانچہ جب وہ مغرب یا اہل مغرب کے بارے میں بات کرتے ہیں تو نہ تنہا ظاہری مشاہدے بلکہ اس تہذیب کی تہہ تک پہنچ کر اظہار رائے کرتے ہیں اور جب تصوف اور جدید انسان کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو ان کی مولانا جلال الدین رومی اور خواجہ حافظ شیرازی سے بے پناہ وابستگی واضح طور پر نمایاں ہو جاتی ہے۔

بہرحال اقبال کے نزدیک عہد حاضر کے مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ اپنی تہذیب و ثقافت سے نفرت ہے۔ اقبال یہ محسوس کرتے ہوئے کہ اپنی تہذیب و ثقافت سے دوری کے باعث مسلمانوں میں ایک شکست خوردگی اور شکستہ دلی کا احساس پیدا ہو گیا ہے، مسلمانوں کی تہذیبی عظمت اور تاریخی تفاخر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ جب مسلمان مغربی چکاچوند سے متاثر ہوتے ہیں تو دل ان کے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے۔ اپنے آپ کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں اور اہل غرب کی تہذیبی برتری کا اعتراف کرنے لگتے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنے آپ کو اس کے سامنے جھکا دیتے ہیں۔

اقبال مسلمانوں کی تہذیبی احساس کمتری کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ ان کی تہذیب اور دینی شخصیت کو جلا دے سکیں۔ اور ان کے ثقافتی کردار کی تعمیرِ نو کر سکیں۔ وہ ان تعمیر عناصر کا سراغ ایران کے ادب اور تصوف اور اوائل اسلام کی روایات میں تلاش کرتے ہیں۔ اقبال کو یقین تھا کہ ایران کا صوفیانہ ادب مسلمانوں کی تابناک ثقافت کا

Scanned by CamScanner

مظہر ہے چنانچہ اس کے ساتھ ربط سودمند، زندگی بخش اور تخلیقی نوعیت کا ہو سکتا ہے۔

اقبال چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو انحطاط پذیر تہذیبی قالب سے نکال کر ان کو نیا ثقافتی وجود عطا کریں اور انہیں آگاہ کریں کہ مسلمانوں کی تہذیب میں کون سے منفی اور ترک کیے جانے کے قابل عناصر ہیں تا کہ انہیں چھوڑ کر مثبت عناصر کو اپنایا جائے۔

اقبال نے اپنے عہد کے اسلام اور مسلمانوں کے حالات پر یوں اظہار خیال کیا ہے:

سینہ اش بی سوز و جانش بی خروش
او سرافیل است و صور او خموش
قلب او نامحکم و جانش نژند
در جہان کالای او نا ارجمند
در مصاف زندگی بی ثبات
دارد اندر آستین لات و منات
مرگ را چون کافران داند ہلاک
آتش او کم بہا مانند خاک

اس کے باوجود اقبال مسلمانوں کو کم مایہ نہیں سمجھتے اور اس سوال کے جواب میں کہ مسلمانوں کا سرمایہ کیا ہے، یوں کہتے ہیں:

عشق را ما دلبری آموختیم
شیوۂ آدم گری آموختیم
ہم ہنر، ہم دین ز خاک خاور است
رشک گردون خاک پاک خاور است

اس عظیم سرمائے کے ساتھ جو ہنر، دین، ادب اور تہذیب کا سرچشمہ ہے، وہ

Scanned by CamScanner

مسلمانوں کو عزم، خود اعتمادی، ژرف نگاہی، دوسروں سے بے نیازی کا پیغام دیتے ہیں:

آنچہ از خاک تو است ای مردِ حُر
آن فروش و آن بپوش و آن بخور
آن نکو بینان کہ خود را دیدہ اند
خود گلیم خویش را بافیدہ اند
ای زکار عصر حاضر بیخبر
چرب دستی ہای یورپ را نگر
قالی از ابریشم تو ساختند
باز او را پیش تو انداختند
چشم تو از ظاہرش افسون خورد
رنگ و آب اور تو را از جا برد

اقبال ثقافت کی بنیادوں اور ماضی کی معنویت کو پختہ تر کرنے کے لیے ماضی کی ثقافت کے سب سے اہم عنصر مذہب کو سامنے لاتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے وہ اسلام کو مسیحیت سے (جس میں دنیا اور دین کو الگ الگ کر دیا گیا ہے) بالکل جداگانہ قرار دیتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ اسلامی ثقافت اور صنعتی ثقافت بنیادی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اس اختلاف کو واضح کرنے کے لیے انہوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ صنعتی ثقافت کا انحصار دو چیزوں پر ہے: ایک آسمان کی بجائے علم پر بھروسا اور دوسرے کمزور ممالک کا استحصال۔ اس کے مقابلے میں اسلامی ثقافت کی بنیاد خالق حقیقی کے اقرار، انصاف اور انسانی آزادی پر ہے اور اسی کا نام آسمانی ثقافت ہے۔

اقبال اس نظریے کی وضاحت کرتے ہوئے مزید کہتے ہیں کہ صنعتی ثقافت کی یلغار کی مسلمان ممالک میں تاثیر کم و بیش انتشار اور شکست و ریخت پر مبنی ہے۔ جہاں

Scanned by CamScanner

اسلامی ثقافت ان ممالک کے لیے پیشرفت اور نشوونما کا باعث ہوتی ہے۔

اسی طرح اقبال ایک عالم دین کی حیثیت سے اس مسئلے پر بھی اظہار خیال کرتے ہیں کہ دین کو داخلی طور پر کس طرح نقصان پہنچتا ہے۔ دین عادات، روایات، آداب و رسوم اور تنگ ذہنیتوں کو وسعت دیتا ہے۔ ظاہر ہے، اقبال ایسی باتوں سے مفاہمت نہیں کر سکتے۔ وہ اس کے برعکس دین کو اسلامی معاشرے کی نجات کا سب سے بڑا وسیلہ قرار دیتے ہیں اور اسے مسلمانوں کی سربلندی، اور درست سمت کی طرف پیش قدمی کا ضامن قرار دیتے ہیں۔ وہ اس طرح اشارہ کرتے ہیں کہ ایک صدی کے دوران استیصالی قوتوں کے اسلام دشمنی میں اضافے اور تشدد کے باعث جس کا سبب مسلمانوں کے ذہنی اعتقادات میں کمزوری اور دین سے غفلت ہے، اسلام ہی وہ واحد قوت ہے جو ان تمام مشکلات کا حل ثابت ہو سکتی ہے۔

اقبال کی نظر میں صرف یہ دعویٰ کہ اسلام تمام مذاہب اور مکاتب فکر سے برتر ہے، مشکلات کو حل نہیں کر سکتا بلکہ اس مقصد کے لیے اسلام کی اس طرح تفسیر کرنا ہوگی جس سے اسے مشکلات کا حل کنندہ ثابت کیا جا سکے۔ اقبال کے خیال میں اسلام شناسی کے لیے زمان و مکان کا ادراک رکھنے والی ایک شخصیت کا وجود ضروری ہے۔ نباض وقت عالم دین وہ ہے جو دینی علوم سے مستند مآخذ کے ساتھ انسانی سوالات کا جواب دے سکے۔ اقبال نے اپنے عہد کی درست تفہیم، فکری و سیاسی صورت حال کے اندازے، عالمی حالات بالخصوص ایران اور برصغیر کے حوالے سے عالمانہ تقابلی تجزیہ پیش کیا۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ جدید ثقافت کے آغاز اور عالمی فتوحات کی ابتدا کے بعد جب اسلام نے مغرب سے رجوع کیا تو مغرب نے ایک ایسی شخصیت کے ساتھ جس میں عقل و دانش، ساری انسانیت کے لیے حیات تازہ تھی، اس کے فکر و فلسفہ کو متاثر کیا۔ اس دوران الہام سے محروم عقل حقائق تک پہنچنے کا تنہا وسیلہ قرار پائی اور تجربیاتی علوم و دانش نے انسانی افکار و احساسات

Scanned by CamScanner

کی جگہ لے لی۔ حقیقت سے ایسی قربت مسلمانوں کے عقاید کے لیے قابل قبول نہیں تھی، چنانچہ انہوں نے حالات و واقعات کے تجزیے کے بعد دفاعی رویہ اختیار کرتے ہوئے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے مسائل کا حل پیش کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اقبال کے ہاں تجزیہ و تحلیل کا رجحان اس وقت پیدا ہوا جب وہ اپنی کتابیں اسرارِ خودی اور رموزِ بے خودی تصنیف کر رہے تھے اور یہ زاویہ نظر ان کی اس گہری سوچ کا نتیجہ تھا جس کی تشکیل میں مغرب کی صنعتی ثقافت، اسلام اور ایران کے صوفیانہ افکار نے حصہ لیا تھا۔ لہٰذا ان کے زاویہ نگاہ کو خاص طور پر ایرانی تصوف، اوائل عہد اسلامی کے مسلمان مجاہدوں کی زندگیوں اور کارناموں سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح یہ زاویہ نگاہ مغربی افکار اور فرہنگ و ثقافت کے خصائص سے بھی خالی نہیں ہے۔

ان معروضات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی ذہنی فضا پر چار چیزیں محیط تھیں: ۱۔ مسلمانوں کے حالات ۲۔ مغرب کی تہذیب و ثقافت اور اسلامی دنیا کے لیے اس کا پیغام ۳۔ اسلام کے ابتدائی دور کے مسلمانوں کے حالات ۴۔ ایرانی صوفیا کی پُرحرارت تعلیمات خاص طور پر مولانا جلال الدین رومی اور حافظ شیرازی کے کلام کی تاثیر۔ فی الحقیقت ان کی ایک آنکھ حالاتِ حاضرہ پر تھی اور دوسری ان تمام دردناک واقعات کے حل کرنے، ان سے نتائج اخذ کرنے کی کوشش پر تھی۔ ان مساعی کے نتیجے میں ہی اقبال اپنے دو اہم فلسفیانہ نظریات ''خودی'' اور ''بے خودی'' تک پہنچے۔ یہ دو نظریے ان کے کلام کی روح ہیں جن کے ذریعے انہوں نے مسلمان قوم میں حرکت و عمل کا جذبہ بیدار کیا۔

اقبال فلسفہ خودی کے ذریعے کہ حرکت و عمل اور خود آگاہی و بصیرت جیسے اہم عناصر اس میں موجود ہیں، فرد واحد کی جدوجہد اور ایک قومی انقلاب تک پہنچتے ہیں۔ اسی لیے وہ فرد یا قوم کے ہر عمل کا آغاز ''خودی'' سے کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ فلسفہ خودی سے واقف انسان صاحب بصیرت ہے اور حماقت و بے وقوفی، بدنصیبی اور ذلالت کا سرچشمہ ہے۔

Scanned by CamScanner

فلسفہ خودی میں نئی طرز زندگی کا حامل انسان ''مجذوب فرنگ'' نہیں ہے۔ یہ انسان مغربی تمدن کے سحر میں آنے کو اپنے حق میں دشمنی سمجھتا ہے اور اس پر فریفتہ ہونے سے اپنے آپ کی حفاظت کو خودی کی طاقت خیال کرتا ہے۔

فلسفہ خودی جس کو اقبال نے اپنے نظریات کی بنیاد قرار دیا ہے، دراصل ان کے ان احساسات و افکار کا ثمر ہے جن کا تعلق ان کے باطن سے ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں ''مغرب کی دلفریب باتوں کو قبول نہ کریں سادگی اور پختگی اختیار کرلیں، حقیقت پسند انسانوں کی طرح''۔

وہ ایک طرف پاکیزہ راہنمائی پر چاہے اس کا تعلق الہام سے ہو یا صوفیا کی تعلیمات پر اور دوسری طرف شعور ذات کے ذریعے مشرق کی بیداری پر بھروسا کرتے ہیں۔ البتہ اس شعور ذات کو جو اپنے عہد کے سوالات کا جواب دیتا ہے، اقبال مغرب کے علم و دانش سے ہم آہنگ کرنا چاہتے ہیں۔

اقبال کے فلسفہ خودی میں انسان باشعور اور آزاد ہے۔ ہر طرح کے گھٹیا پن سے کنارہ کش اور بے نیاز ہے۔ اسی طرح یہ انسان اپنے نصب العین کے لیے فعال اور سنجیدہ ہے۔ اس لحاظ سے تمدنی بے عملی جو پس ماندگی کا سبب بنتی ہے ان کے فلسفے سے خارج ہو جاتی ہے۔

فلسفہ خودی سے واقف انسان کی ایک اور خصوصیت تبدیلی اور قلب ماہیت ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں:

مانند صبا خیز و وزیدن دگر آموز
دامان گل و لالہ کشیدن دگر آموز

اور ایک دوسرے قطعے میں جو شیلے لہجے میں مشرق کے سوئے ہوئے انسانوں کو اس طرح بیدار کرتے ہیں:

Scanned by CamScanner

ای غنچہ خوابیدہ چو نرگس نگران خیز
کاشانہ ما رفت بہ تاراج خزان خیز
از نالۂ مرغ چمن از بانگ اذان خیز
از گرمی ہنگامہ آتش نفسان خیز

فلسفہ خودی کے بعد اقبال بے خودی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ بے خودی جس کا مقام خودی کے بعد ہے اس کا مطلب ہے اپنی ذات کی نفی کر کے اجتماع میں مدغم ہو جانا۔ اقبال کے ہاں مسلمان قوم میں انقلاب کے معنی افراد کے درمیان اتحاد اور ہم آہنگی کے سوا اور نہیں۔ پس خودی کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ وہ مرحلہ بے خودی کو طے کرے:

در جماعت خود شکن گردد خودی
تازہ گلبرگ چمن ، گردد خودی
چون ز خلوت خویش را بیرون دھد
پای در ہنگامۂ جلوت دھد

جیسا کہ پہلے کہا گیا، ایک اہم موضوع جو اقبال کے ذہن میں ہمیشہ موجزن رہا، مغرب، اہلِ مغرب اور صاحب فکر مسلمانوں سے مغربی تہذیب و ثقافت کا ٹکراؤ ہے۔ تاہم اقبال مغرب سے نبرد آزما ہیں اور کیوں نبرد آزما ہیں حتیٰ کہ یونانی فلسفے پر تنقید کرتے ہیں اور افلاطون و ارسطو کے افکار کو صاحبان فکر کے لیے گمراہ کرنے والا حقائق دنیاوی سے انحراف کہتے ہیں، یہ بات خاص توجہ کی مستحق ہے، چنانچہ کہتے ہیں:

راہب دیرینہ افلاطون حکیم
از گروہ گوسفندان قدیم
رخش او در ظلمت معقول گم
در کہستان وجود افکندہ سم

Scanned by CamScanner

بر تخیلہای ما فرمانرواست
جام او خواب آور و گیتی رباست
گوسفندی در لباس آدم است
حکم او بر جان صوفی محکم است

اقبال کا افلاطون اور ارسطو سے اختلاف اور فلسفہ یونان کو کمزور کہنے کا باعث یہ ہے کہ انہوں نے مسلمان صوفیا کی تصانیف کا مطالعہ کیا تھا اور وہ حقیقت تک پہنچنے کا واحد راستہ صراط مستقیم اور شریعت انبیاء کو سمجھتے ہیں کہ:

بندۂ حق بی نیاز از ہر مقام
نی غلام کس ، نہ کس او را غلام
بندۂ حق مرد آزاد است و بس
ملک و آئینش خداداد است و بس
رسم و راہ دین و آئینش ز حق
زشت و خوب و تلخ و نوشینش ز حق
وحی حق بینندۂ سود ہمہ
در نگاہش سود و بہبود ہمہ

اقبال کا اختلاف عہد حاضر کے مغرب سے بھی ہے۔ وہ اسے اپنے عہد کی بربادی کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں:

فریاد ز افرنگ و دلاویزی افرنگ
فریاد ز شیرینی و پرویزی افرنگ
عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزی افرنگ
معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز

Scanned by CamScanner

اقبال مغرب سے اپنی ناراضگی کو یہاں تک لے جاتے ہیں کہ وہ مغرب کی صنعتی ترقی کی بھی مذمت کرتے ہیں:

دانش افرنگیان تیغی بہ دوش
در ہلاک نوع انسان سخت کوش
آہ از افرنگ و از آئین او
آہ از اندیشہ لادین او
علم حق را ساحری آموختند
ساحری نی ، کافری آموختند

اور

غربیان گم کردہ اند افلاک را
در شکم جویند جان پاک را

اقبال کی نظر میں مغرب کی تہذیب و ثقافت کی نوعیت مادی ہے:

در نگاہش آدمی آب و گل است
کاروان زندگی بی منزل است

مغرب جس نے لادینیت کو اپنایا ہوا ہے اور اقبال جو دین دار ہیں، وہ اس تمدن کو کیسے اپنا سکتے ہیں جبکہ وہ اسے استحصالی بھی سمجھتے ہیں:

تو را نادان امید غمگساریہا ز افرنگ است
دل شاہین نمی سوزد بر آن مرغی کہ در چنگ است

اور مغرب کے دل و دماغ کے بارے میں کہتے ہیں:

عقل و فکرش بی عیار خوب و زشت
چشم او بی غم ، دل او سنگ و خشت

Scanned by CamScanner

اقبال مغربی تہذیب و ثقافت کی تردید اور اس پر تنقید پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ چاہتے ہیں کہ اسلام کے افکار و نظریات کو ان کی جگہ پر لائیں اور ثقافتی منابع کی طہارت کے ذریعے لوگوں کو اسلامی ذرائع کی طرف لے آئیں اور اسلامی تحریک کی تاریخی اہمیت ان پر ظاہر کر دیں:

مسلمانی کہ داند رمز دین را
نیا ساید پیش غیرلہ جبین را
اگر گردون بہ کام او نگردد
بہ کام خود بگرداند زمین را

یہی وجہ ہے اقبال نے جب مغرب میں اپنی تعلیم مکمل کی تو وہ مغرب فریفتہ اور تہذیب و ثقافت سے بچھڑے ہوئے اپنے لوگوں میں واپس آ گئے تاکہ وہ مسلمانوں کو مغرب زدگی اور نئی تہذیب کے ہاتھوں دل ہارے ہوئے لوگوں کو متنبہ کر سکیں اور مسلمانوں کی جوان نسل کو صرف مغرب کے مفید علوم و دانش کو حاصل کرنے کی نصیحت کریں:

قوت مغرب نہ از چنگ و رباب
نی ز رقص دختران بی حجاب
محکمی او نہ از لادینی است
نی فروغش از خط لاتینی است
قوت افرنگ از علم و فن است
از ہمین آتش چراغش روشن است

فی الحقیقت اقبال نے ایک عظیم اور بے نظیر انقلاب کی طرف پیش قدمی کی اور اسلامی اقدار پر بھروسا کرتے ہوئے مسلمانوں کو شعور ذات اور افکار تازہ کی راہ دکھائی۔

Scanned by CamScanner

بہ آدمی نرسیدی خدا چہ می جویی
زخود گریختہ ای آشنا چہ می جویی

ان کے خیال میں افعال میں تبدیلی اور نئے معیارات کے قیام کے بغیر معاشرے میں کوئی انقلاب برپا نہیں ہوسکتا۔ ہر فکری تحریک کے لیے ضروری ہے کہ وہ وجدان کی گہرائی اور انسانی مزاج سے ہم آہنگ ہو۔

در جہان بال و پر خویش گشودن آموز
کہ پریدن نتوان با پر و بال دیگران

اقبال کا خیال ہے برصغیر کی جوان نسل پریشان حالی سے نجات حاصل کرے۔ استحصالی نظام کے مقابلے میں ایک تعمیری انقلاب کے لیے تیار ہو جائے۔ وہ مرنے سے پہلے اپنے پسندیدہ اسلامی اسلوبِ حیات کو جوان نسل میں جڑ پکڑتا دیکھ رہے تھے۔

اقبال کا نعرہ، مشرق و مغرب نہیں بلکہ اسلام کی طرف رہنمائی ہے۔ اسلام اور مغربی دنیا اور مغربی تہذیب و تمدن کے درمیان ٹکراؤ بھی اسی نعرے کی بنیاد پر ہے۔ اس لحاظ سے اقبال یہ نعرہ کہ نہ مشرق نہ مغرب ان کے ایک خاص نظریے کی بنیاد پر ہے جو اس عظیم شعر سے ظاہر ہے:

بندۂ آزاد را آید گران
زیستن اندر جہانِ دیگران

اقبال کہتے ہیں: مسلمان نہ صرف مختلف فلسفیانہ اور سائنسی موضوعات کی تحقیق میں اپنے منفرد تجربات اور مشاہدوں کے سبب اوج کمال تک پہنچے ہوئے تھے بلکہ ان کی علمی استعداد اس مقام پر تھی کہ علمِ تبویب، فہرست سازی، دائرۃ المعارف کی ترتیب و تدوین جس میں اسلامیات، فلسفہ، سائنس، ادبیات، زبان، آرٹ سبھی شامل ہیں، میں ان کی خدمات دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتیں۔

Scanned by CamScanner

اسرار ازل جویی بر خود نظری وا کن
یکتایی و بسیاری ، پنہانی و پیدایی

اقبال کا سب سے بڑا مقصد اسلامی تہذیب و ثقافت کی عالمی سطح پر دنیائے علم میں پذیرائی ہے۔

ما کہ اندر طلب از خانہ برون تاختہ ایم
علم را جان بدیم و عملی ساختہ ایم

وہ تہذیب اسلامی کو مغرب کے بے شعور کارندوں کی تخریب کاری سے بچانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں:

ای تہی از شوق و ذوق و سوز و درد
می شناسی عصرِ ما با ما چہ کرد
عصر ما ، ما را ز ما بیگانہ کرد
از جمال مصطفیٰ بیگانہ کرد

اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اقبال کا سیاسی کلام زیر استحصال مسلمانوں کی گلے تک آئی ہوئی فریاد ہے اور کلام اقبال میں آزادی بخش آہنگ وہ ہے جو انسانوں بالخصوص برصغیر کے مسلمانوں کی آزادی کے لیے استعمال کیا جائے۔

ہر کہ حق باشد چو جان اندر تنش
خم نگردد پیش باطل گردنش
خوف را در سینۂ او راہ نیست
خاطرش مرعوب غیر اللہ نیست

اقبال، اخوت اسلامی پر انحصار کرتے ہوئے تمام مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ مغربی ثقافت کے مقابلے میں منفی ردعمل کا مظاہرہ کریں۔ وہ اس گمراہی اور پستی سے نکلنے کا راستہ قرآن پاک اور اس کی دانش کو قرار دیتے ہیں:

Scanned by CamScanner

برگ و ساز ما کتاب و حکمت است
این دو قوت اعتبار ملت است

چنانچہ خواجہ فیروزالدین کے جواب میں کہتے ہیں: ''میری ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ مسلمان پس ماندگی سے باہر آ جائیں اور بلند مقام حاصل کریں۔ ان کے درمیان موجود اختلاف اور کمزوریاں دور ہو جائیں، جہاں تک میری رسائی تھی میں نے کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کی جائے، اور میری زبان سے ایسی بات نہ نکلے جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے۔ خدا کے لیے ان تمام اختلافات حتیٰ کہ سیاسی اور مذہبی اختلافات کو بھی ختم کیجیے اور آپس میں متحد ہو جائیں۔

اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اقبال شاعر، متفکر اور صاحب مشاہدہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سیاست دان بھی تھے اور سیاست خواہ مخواہ فکر کو متاثر کرتی ہے۔ اقبال کا عہد ایک ایسے دور سے تعلق رکھتا ہے جس میں برصغیر کے مسلمانوں کے دلوں میں آزادی کا ولولہ پختہ ہو رہا تھا۔

اقبال ایک ایسے شخص تھے جو عالمی سطح پر سوچتے تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے اپنے ان عالمی افکار کے لیے ایک ایسی زبان کو اپنایا جو پوری دنیا میں متعارف تھی۔ فارسی زبان کم از کم تاریخی لحاظ سے تو یہ شہرت ضرور رکھتی تھی۔ ایک ہزار سالہ قدامت، اظہار میں ثروت مند، نہ صرف تمام دنیائے اسلام میں بلکہ مغربی دنیا میں بھی اس کی پہچان موجود تھی۔ ایک طرف فارسی زبان مسلمانوں کی ثقافت کا سرچشمہ تھی تو دوسری طرف ایران کے صوفیانہ ادب تک پہنچنے کا بہترین ذریعہ بھی تھی۔ ایک ایسا ذریعہ جو مسلمانوں کے لیے برادرانہ ارتباط اور ولولہ انگیز شعورِ ذات کا ذریعہ بھی قرار پاتی تھی۔

اقبال کی خواہش تھی کہ سرزمین مشرق کی قدیم ثقافت کو گہرائی سے دورِ حاضر کے دکھوں اور مسائل کا حل تلاش کیا جائے۔ اس طرح انہوں نے قدیم و جدید کو ساتھ ساتھ

Scanned by CamScanner

رکھ کر چاہا کہ آنے والے کل کو جانے والے کل کے حوالے سے دریافت کریں۔ اقبال نے جن موضوعات کو سامنے رکھا۔ دراصل وہی موضوعات تھے جو ایرانی تصوف میں پہچانے جاتے تھے اس کے باوجود اقبال نے کوشش کی کہ اس میراث کو نئی تراش خراش دی جائے۔

وہ ہمیشہ اس کوشش میں رہے ہیں کہ اسلامی ثقافت کا ادراک نئے تقاضوں کے مطابق کریں۔ فلسفہ خودی یا خودشناسی جس میں اقبال اس قدر زور دیتے ہیں، ایک فرد کی آزادی ہے۔ اقبال کے نزدیک تمام مسائل اور نکات کا آغاز ''خودی'' سے ہونا چاہیے۔

مختصر یہ ہے کہ اقبال ہر چیز کو اسلام کی طرف لے آتے ہیں اور اسلامی قومیت کے خواہش مند ہیں۔ مسلمانیت جو ان کی خواہش ہے اس میں قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی خصوصیات کا ہونا ضروری ہے۔ مسلمانوں کا وطن، اسلام کا ایک عظیم وطن ہے۔ اقبال عرب، ہند، ترکی اور ایران کے درمیان حائل سرحدوں کو قبول نہیں کرتے۔

اقبال کا انسانِ کامل وہ ہے جو اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہو۔ مجاہدین اسلام اقبال کے نزدیک ایک مثالی ہیرو ہیں۔ اقبال عہد حاضر کے مسلمانوں کی مجاہدانہ خوبیوں کا پورا پورا احساس رکھتے ہیں۔

اقبال مسلمانوں کی نفسیاتی اور فکری استعداد کو بھی اہمیت دیتے ہیں۔ ان کا فلسفہ خودی کی بنیاد اسی نفسیاتی اور فکری استعداد پر ہے۔ فلسفہ خودی میں روح اور جسم کے درمیان اعتدال برقرار رکھا گیا ہے اور اس میں احساس زیبائی، اعتدال، تربیت افکار، درگزر، احساس آزادی اور اچھی صفات کی صدائے بازگشت ہے۔ اسی طرح اس میں ذوق کی پرورش، علم و عمل کی یک جائی اور مذہبی ثقافت سے ارتباط اور ماضی کی تاریخ سے واقفیت بھی موجود ہے۔

نوجوانان تشنہ لب خالی ایاغ
شستہ رو، تاریک جان، روشن دماغ

کم نگاه و بی یقین و نا امید
چشمشان اندر جهان چیزی ندید
ناکسان منکر ز خود، مومن به غیر
خشت بند از خاکشان معمار دیر
مکتب از مقصود خویش آگاه نیست
تا به جذب اندرونش راه نیست
خشت را معمار ما کج می نهد
خوی بط با بچه شاهین دهد

مشرق کی بیداری کی خوش خبری یوں دیتے ہیں:

گفت جانها محرم اسرار شد
خاور از خواب گران بیدار شد
جذبه های تازه او را داده اند
بندهای کهنه را بگشاده اند
جز تو ای دانای اسرار فرنگ
کس نکو ننشست در نار فرنگ
هیچ قومی زیر چرخ لاجورد
بی جنون ذو فنون کاری نکرد
ای تهی از ذوق، شوق و سوز و درد
می شناسی عصر ما با ما چه کرد
سوز او تا از میان سینه رفت
جوهر آیینه از آیینه رفت

Scanned by CamScanner

باطن این عصر را نشناختیم
داد اول خویش را درباختیم

احتساب خویش کن از خود مرو
یک دو دم از غیر خود بیگانه شو

تا کجا این خوف و وسواس و هراس
اندر این کشور مقام خود شناس

شعله ای از خاک او باز آفرین
آن طلب ، آن جستجو باز آفرین

باز جذب اندرون او را بده
آن جنون ذو فنون او را بده

پس چه باید کرد ای اقوام شرق
باز روشن می شود ایام شرق

Scanned by CamScanner